حقوق الزوجین

(۳)

خلع شرع اسلامی نے جس طرح مرد کو یہ حق دیا ہے کہ جس عورت کو وہ ناپسند کرتا ہے اور اس کے ساتھ کسی طرح نباہ نہیں سکتا اسے طلاق دے دے، اسی طرح عورت کو بھی یہ حق دیا ہے کہ جس مرد کو وہ ناپسند کرتی ہو اور کسی طرح اس کے ساتھ گذر بسر نہ کر سکتی ہو اس سے خلع حاصل کرلے۔

اس باب میں احکام شریعت کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو اخلاقی ہے اور دوسرا قانونی۔ اخلاقی پہلو تو یہ ہے کہ خواہ مرد ہو یا عورت ہر ایک کو طلاق یا خلع کا اختیار صرف ایک آخری چارہ کار کے طور پر استعمال کرنا چاہئے۔ نہ یہ کہ محض خواہشات کی تسکین کے لیے طلاق اور خلع کو کھیل بنا لیا جائے۔ چنانچہ احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات منقول ہیں کہ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الذَّوَّاقِیْنَ وَالذَّوَّاقَات۔ (اللہ مزے چکھنے والوں اور مزے چکھنے والیوں کو پسند نہیں کرتا)۔

لعن اللّٰہ کل ذواق مطلاق (ہر طالب لذت بکثرت طلاق دینے والے پر اللہ نے لعنت کی ہے)۔

ایما امرأۃ اختلعت من زوجہا بغیر نشوز فعلیہا لعنۃ اللّٰہ والملائکۃ والناس اجمعین (جس کسی عورت نے اپنے شوہر سے نشوز کے بغیر خلع لیا اس پر اللہ اور ملائکہ اور سب لوگوں کی لعنت)

المختلعات ھن المنافقات (خلع کو کھیل بنا لینے والی عورتیں منافق ہیں)۔

لیکن قانون جس کا کام اشخاص کے حقوق متعین کرنا ہے اس پہلو سے بحث نہیں کرتا۔ وہ جس طرح

مرد کو شوہر ہونے کی حیثیت سے طلاق کا حق دیتا ہے، اسی طرح عورت کو بھی بیوی ہونے کی حیثیت سے خلع کا حق دیتا ہے تاکہ دونوں کے لیے بوقت ضرورت عقد نکاح سے آزادی حاصل کرنا ممکن ہو، اور کوئی فریق بھی ایسی حالت میں مبتلا نہ کر دیا جائے کہ دل میں نفرت ہے، مقاصد نکاح پورے نہیں ہوتے، رشتہ ازدواج ایک مصیبت بن گیا ہے، مگر جبراً ایک دوسرے کے ساتھ محض اس لیے بندھے ہوئے ہیں کہ اس کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ رہا یہ سوال کہ دونوں میں سے کوئی فریق اپنے حق کو بے جا طور پر استعمال کرے گا، تو اس بارے میں قانون جہاں تک ممکن اور معقول ہے، پابندیاں عائد کر دیتا ہے مگر حق کو بجا یا بیجا استعمال کرنے کا انحصار بڑی حد تک خود استعمال کرنے والے کے اختیار تمیزی، اور اس کی دیانت اور خدا ترسی پر ہے۔ اس کے اور خدا کے سوا کوئی بھی یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ وہ محض طالب لذت ہے یا فی الواقع اس حق کے استعمال کی جائز حاجت رکھتا ہے۔ قانون اس کا فطری حق اسے دینے کے بعد اس کو بیجا استعمال سے روکنے کے لیے صرف ضروری پابندیاں اس پر عائد کر سکتا ہے۔ چنانچہ طلاق کی بحث میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ مرد کو عورت سے علیحدگی اختیار کرنے کا حق دینے کے ساتھ اس پر متعدد قیود لگا دی گئی ہیں، مثلاً یہ کہ جو مہر اس نے عورت کو دیا تھا اس کا نقصان گوارا کرے، زمانہ حیض میں طلاق نہ دے، تین طہروں میں ایک ایک طلاق دے۔ عورت کو زمانہ عدت میں اپنے ساتھ رکھے۔ اور جب تین طلاقیں دے چکے تو پھر وہ عورت تحلیل کے بغیر دوبارہ اس کے نکاح میں نہ آسکے۔ اسی طرح عورت کو بھی خلع کا حق دینے کے ساتھ چند قیود عائد کر دی گئی ہیں، جن کو قرآن مجید کی اس مختصر سی آیت میں تمام و کمال بیان کر دیا گیا ہے

خلع کی شرائط

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ

تمہارے لیے جائز نہیں کہ جو کچھ تم ان کو دے چکے ہو وہ واپس لے لو الا یہ کہ میاں بیوی کو یہ خوف ہو کہ اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے تو ایسی صورت میں جب کہ تم کو خوف ہو کہ میاں بیوی اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے

کچھ مضایقہ نہیں اگر عورت کچھ معاوضہ دے کر (عقدہ نکاح سے آزادی حاصل کرے)۔

اس آیت سے حسب ذیل احکام مستنبط ہوتے ہیں:۔

۱- خلع ایسی حالت میں ہونا چاہیے جبکہ حدود اللہ کے ٹوٹ جانے کا خوف ہو۔ فلا جناح علیہما کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ اگرچہ خلع ایک بری چیز ہے، جس طرح کہ طلاق بُرا ہے لیکن جب یہ خوف ہو کہ حدود اللہ ٹوٹ جائیں گی تو خلع لینے میں کوئی بُرائی نہیں۔

۲- جب عورت عقدہ نکاح سے آزاد ہونا چاہے تو وہ بھی اسی طرح مال کی قربانی گوارا کرے جس طرح مرد کو اپنی خواہش سے طلاق دینے کی صورت میں گوارا کرنی پڑتی ہے۔ مرد اگر خود طلاق دے تو وہ اس مال میں سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا جو اس نے عورت کو دیا تھا۔ اور اگر عورت جدائی کی خواہش کرے تو وہ اس مال کا ایک حصہ یا پورا مال واپس کرکے جدا ہوسکتی ہے جو اس نے شوہر سے لیا تھا۔

۳- افتداء (یعنی معاوضہ دے کر رہائی حاصل کرنے) کے لیے محض فدیہ دینے والی کی خواہش کافی نہیں، بلکہ اس معاملہ کا اتمام اس وقت ہوتا ہے جب کہ فدیہ لینے والا بھی راضی ہو۔ مقصد یہ ہے کہ عورت محض ایک مقدار مال پیش کرکے آپ سے آپ علیحدہ نہیں ہوسکتی، بلکہ علیحدگی کے لیے ضروری ہے کہ جو مال وہ پیش کر رہی ہے، اس کو شوہر قبول کرے۔

۴- خلع کے لیے صرف اس قدر کافی ہے کہ عورت اپنا پورا مہر یا اس کا ایک حصہ پیش کرکے علیحدگی کا مطالبہ کرے اور مرد اس کو قبول کرکے طلاق دیدے۔ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ خلع کا فعل تراضیِ طرفین سے مکمل ہوجاتا ہے۔ اس سے ان لوگوں کے خیال کی تردید ہوتی ہے جو خلع کے لیے قضائے قاضی کو شرط قرار دیتے ہیں۔

۵- اگر عورت فدیہ پیش کرے اور مرد قبول نہ کرے تو اس صورت میں ان کی طرف رجوع کیا جائے گا جو خِفتُم کے مخاطب ہیں، یعنی مسلمانوں کے اولی الامر اور چونکہ اولی الامر کا اولین فرض حدود اللہ کی

حفاظت ہے، اس لیے ان پر لازم ہوگا کہ جب حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خوف متحقق ہوجائے تو عورت کو اس کا وہ حق دلوا دیں جو انہی حدود کے تحفظ کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کیا ہے۔

یہ مجمل احکام ہیں جن میں اس امر کی تصریح نہیں کہ "حدود اللہ کے ٹوٹ جانے کا خوف" کن صورتوں میں متحقق ہوگا؟ فدیہ کی مقدار متعین کرنے میں انصاف کیا ہے؟ اور اگر عورت افتداء پر آمادہ ہو لیکن مرد قبول نہ کرے تو ایسی صورت میں قاضی کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟ ان مسائل کی تفصیلات ہم کو خلع کے ان مقدمات کی روداودں میں ملتی ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے سامنے پیش ہوئے تھے۔

صدر اول کے نظائر خلع کا سب سے زیادہ مشہور مقدمہ وہ ہے جس میں ثابت بن قیس سے ان کی بیویوں نے خلع حاصل کیا ہے۔ اس مقدمہ کی روداد کے مختلف ٹکڑے مختلف احادیث میں وارد ہوئے ہیں جن کو ملا کر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ثابت سے ان کی دو بیویوں نے خلع حاصل کیا تھا۔ ایک بیوی جمیلہ بنت ابی بن سلول (عبداللہ ابن ابی کی بہن[1]) کا قصہ یہ ہے کہ انھیں ثابت کی صورت ناپسند تھی۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خلع کے لیے مرافعہ کیا، اور ان الفاظ میں اپنی شکایت بیان کی۔

یارسول اللہ لا یجمع راسی و راسہ شئی ابداً۔ انی رفعت جانب الخباء فرأیتہ اقبل فی عدۃ فاذا ھو اشدھم سواداً و اقصرھم قامۃ و اقبحھم وجھاً۔ (ابن جریر)۔	یارسول اللہ میرے اور اس کے سر کو کوئی چیز کبھی جمع نہیں کر سکتی میں نے اپنا گھونگٹ جو اٹھایا تو وہ سامنے سے چند آدمیوں کے ساتھ آ رہا تھا میں نے دیکھا کہ وہ ان سب سے زیادہ کالا اور سب سے زیادہ پستہ قد اور سب سے زیادہ بدشکل تھا۔
واللہ ما کرھتہ منہ دیناً ولا خلقاً الا انی کرھت دمامتہ (ابن جریر)	خدا کی قسم میں دین یا اخلاق کی کسی خرابی کے سبب سے اس کو ناپسند نہیں کرتی بلکہ مجھے اس کی بدصورتی ناپسند ہے

[1] بعض نے زینب بنت عبداللہ بن ابی کہا ہے مگر مشہور یہی ہے کہ ان کا نام جمیلہ تھا اور عبداللہ بن ابی کی بیٹی نہیں بلکہ بہن تھیں

واللہ لولا مخافۃ اللہ اذا دخل علی لبصقت فی وجھہ (ابن ماجہ)	خدا کی قسم اگر خوف خدا نہ ہوتا تو جب وہ میرے پاس آیا تھا اس وقت میں اس کے منہ پر تھوک دیتی۔
یارسول اللہ بی من الجمال ما تریٰ و ثابت رجل دمیم (عبدالرزاق بحوالہ فتح الباری)	یا رسول اللہ میں جیسی خوبصورت ہوں آپ دیکھتے ہیں اور ثابت ایک بدصورت شخص ہے۔
وما اعتب علیہ فی خلق ولا دین ولکنی اکرہ الکفر فی الاسلام[1] (بخاری)	میں اس کے دین اور اخلاق پر کوئی حرف نہیں رکھتی مگر مجھے اسلام میں کفر کا خوف ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شکایت سنی اور فرمایا کہ اتردین علیہ حدیقتہ (التی اعطاک) جو باغ تجھ کو اس نے دیا تھا وہ تو واپس کر دے گی؟ انہوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ بلکہ وہ زیادہ چاہے تو زیادہ بھی دوں گی۔ حضور نے فرمایا اما الزیادۃ فلا ولکن حدیقتہ۔ زیادہ تو نہیں مگر تو اس کا باغ واپس کر دے۔ پھر ثابت کو حکم دیا کہ اقبل الحدیقۃ وطلقھا تطلیقۃ۔ باغ قبول کر لے اور اس کو ایک طلاق دیدے۔

ثابت کی ایک اور بیوی حبیبہ بنت سہل الانصاریہ تھیں جن کا واقعہ امام مالک اور ابوداؤد نے اس طرح نقل کیا ہے کہ ایک روز صبح سویرے حضور کاشانۂ نبوی سے برآمد ہوئے تو حبیبہ کو کھڑا پایا۔ دریافت فرمایا کہ کیا معاملہ ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ لا انا ولا ثابت بن قیس (میری اور ثابت کی نہیں نبھ سکتی) جب ثابت حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا کہ یہ حبیبہ بنت سہل ہے۔ اس نے بیان کیا جو کچھ اللہ نے چاہا کہ بیان کرے۔ حبیبہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جو کچھ ثابت نے مجھے دیا ہے وہ سب میرے پاس ہے۔ حضور نے ثابت کو حکم دیا کہ وہ لے لے اور اس کو چھوڑ دے۔ بعض روایتوں میں خل سبیلھا کے الفاظ ہیں اور بعض میں فارقھا۔ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ ابوداؤد اور ابن جریر نے حضرت عائشہ سے

---

[1] اسلام میں کفر کے خوف سے مراد یہ ہے کہ کراہت و نفرت کے باوجود اگر میں اس کے ساتھ رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ میں ان احکام کی پابند نہ رہ سکوں گی جو شوہر کی اطاعت اور اس کی وفاداری اور عصمت و عفت کے تحفظ کے لئے خدا اور رسول نے دئے ہیں۔

اس واقعہ کو اس طرح روایت کیا ہے کہ ثابت نے حبیبہ کو اتنا مارا تھا کہ ان کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی حبیبہ نے اگر حضور سے شکایت کی آپ نے ثابت کو حکم دیا کہ خذ بعض مالھا و فارقھا۔ اس کے مال کا ایک حصہ لے لے اور جدا ہو جا۔ مگر ابن ماجہ نے حبیبہ کے جو الفاظ نقل کیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حبیبہ کو ثابت کے خلاف جو شکایت تھی وہ مارپیٹ کی نہ تھی بلکہ بدصورتی کی تھی چنانچہ انہوں نے وہی الفاظ کہے جو دوسری احادیث میں جمیلہ سے منقول ہیں یعنی اگر مجھے خدا کا خوف نہ ہوتا تو میں ثابت کے منہ پر تھوک دیتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک عورت اور مرد کا مقدمہ پیش ہوا۔ آپ نے عورت کو نصیحت کی اور شوہر کے ساتھ رہنے کا مشورہ دیا۔ عورت نے قبول نہ کیا۔ اس پر آپ نے اُسے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا جس میں کوڑا کرکٹ بھرا ہوا تھا۔ تین دن قید رکھنے کے بعد آپ نے اسے نکالا اور پوچھا کہ تیرا کیا حال رہا۔ اس نے کہا خدا کی قسم مجھ کو انہی تین راتوں میں راحت نصیب ہوئی ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر نے اس کے شوہر کو حکم دیا کہ اخلعھا ویحک ولو من قرطھا۔ اس کو خلع دیدے خواہ وہ اس کے کان کی بالیوں کے عوض ہی میں ہو (کشف الغمہ ج ۲)۔

ربیع بنت معوذ بن عفراء نے اپنے شوہر سے اپنی تمام املاک کے معاوضہ میں خلع حاصل کرنا چاہا شوہر نے نہ مانا۔ حضرت عثمان کے پاس مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عثمان نے اس کو حکم دیا کہ اس کی چوٹی کا موباف تک لے لے اور اس کو خلع دیدے (فَاَجَازَہٗ و امرہٗ باخذ عقاص رأسھا فما دونہ۔ عبدالرزاق)۔

احکام خلع | ان روایات سے حسب ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے :-

(۱) فان خفتم الا یقیما حدود اللہ کی تفسیر وہ شکایات ہیں جو ثابت بن قیس کی بیویوں سے منقول ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں کی اس شکایت کو خلع کے لیے کافی سمجھا کہ ان کا شوہر بدصورت ہے اور وہ اُن کو پسند نہیں۔ آپ نے ان کو خوبصورتی اور بدصورتی کے فلسفہ پر کوئی لکچر نہیں دیا۔ کیونکہ آپ کی

نظر شریعت کے مقاصد پر تھی۔ جب یہ امر متحقق ہوگیا کہ ان عورتوں کے دل میں شوہر کی طرف سے نفرت و کراہیت بیٹھ چکی ہے تو آپ نے ان کی درخواست کو قبول فرمالیا، کیونکہ نفرت و کراہیت کے ساتھ ایک عورت اور مرد کو جبراً ایک دوسرے سے باندھ رکھنے کے نتائج، دین اور اخلاق اور تمدن کے لیے طلاق و خلع سے زیادہ خراب ہیں اور ان سے مقاصد شریعت فوت ہونے کا خوف ہے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہ قاعدہ نکلتا ہے کہ خلع کا حکم نافذ کرنے کے لیے محض اس بات کا متحقق ہوجانا کافی ہے کہ عورت اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہے اور اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔

۲۔ حضرت عمرؓ کے فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ نفرت و کراہیت کی تحقیق کے لئے قاضی شرع کوئی مناسب تدبیر اختیار کرسکتا ہے تاکہ کسی شبہہ کی گنجایش نہ رہے اور بالیقین معلوم ہوجائے کہ ان زن وشوہر میں ایسنباہ ہونا متوقع نہیں ہے۔

۳۔ حضرت عمرؓ کے فعل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نفرت و کراہیت کے اسباب کا کھوج لگانا ضروری نہیں، اور یہ ایک معقول بات ہے۔ عورت کو اپنے شوہر سے بہت سے ایسے اسباب کی بنا پر نفرت ہوسکتی ہے جن کو کسی کے سامنے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے اسباب بھی نفرت کے ہوسکتے ہیں جن کو اگر بیان کیا جائے تو سننے والا نفرت کے لئے کافی نہ سمجھے گا۔ لیکن جس کو ان اسباب سے رات دن سابقہ پیش آتا ہے اس کے دل میں نفرت پیدا کرنے کے لیے وہ کافی ہوتے ہیں۔ لہذا قاضی کا کام صرف اس واقعہ کی تحقیق کرنا ہے کہ عورت کے دل میں شوہر سے نفرت پیدا ہوچکی ہے۔

۴۔ قاضی عورت کو وعظ و پند کرکے شوہر کے ساتھ رہنے کے لیے راضی کرنے کی کوشش ضرور کرسکتا ہے، مگر اس کی خواہش کے خلاف اسے مجبور نہیں کرسکتا، کیونکہ خلع اس کا حق ہے جو خدا نے اس کو دیا ہے، اور اگر وہ اس امر کا اندیشہ ظاہر کرتی ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنے میں وہ حدود اللہ پر قائم نہ رہ سکے گی تو کسی کو اس سے یہ کہنے کا حق نہیں کہ تو چاہے حدود اللہ کو توڑ دے مگر اس خاص مرد کے

ساتھ بہرحال تجھ کو رہنا پڑے گا۔

۵- خلع کے مسئلہ میں دراصل یہ سوال قاضی شرع کے لیے تنقیح طلب ہی نہیں ہے کہ عورت آیا جائز ضرورت کی بنا پر طالب خلع ہے یا محض نفسانی خواہشات کے لیے علیحدگی چاہتی ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے قاضی کی حیثیت سے جب مقدمات خلع کی سماعت کی تو اس سوال کو بالکل نظرانداز کر دیا۔ کیونکہ اول تو اس سوال کی کماحقہ تحقیق کرنا کسی قاضی کے بس کا کام نہیں۔ دوسرے خلع کا حق عورت کے لیے اس حق کے مقابلہ میں ہے جو مرد کو طلاق کی صورت میں دیا گیا ہے۔ ذواقیت کا احتمال دونوں صورتوں میں یکساں ہے۔ مگر مرد کے حق طلاق کو قانون میں اس قید کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا ہے کہ وہ ذواقیت کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ پس جہاں تک قانونی حق کا تعلق ہے عورت کے حق خلع کو بھی کسی اخلاقی قید سے مقید نہ ہونا چاہیے۔ تیسری بات یہ ہے کہ کوئی طالب خلع عورت دو حال سے خالی نہ ہوگی۔ یا وہ فی الحقیقت خلع کی جائز ضرورت رکھتی ہوگی یا محض ذواقہ ہوگی۔ اگر پہلی صورت ہے تو اس کے مطالبہ کو رد کرنا ظلم ہوگا۔ اور اگر دوسری صورت ہے تو اس کو خلع نہ دلوانے سے شریعت کے اہم مقاصد فوت ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ جو عورت طبعاً ذواقہ ہے وہ تو اپنے ذوق کی تسکین کے لیے کوئی نہ کوئی تدبیر کر کے رہے گی۔ اگر آپ اس کو جائز طریقے سے ایسا نہ کرنے دیں گے تو وہ ناجائز طریقوں سے اپنی فطرت کے داعیات کو پورا کریگی اور یہ زیادہ برا ہوگا۔ ایک عورت کا پچاس شوہروں کو یکے بعد دیگرے بدلنا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ وہ کسی شخص کے قید نکاح میں رہتے ہوئے ایک مرتبہ بھی زنا کا ارتکاب کرے۔

۶- اگر عورت خلع مانگے اور شوہر اس پر راضی نہ ہو تو قاضی اس کو حکم دے گا کہ اسے چھوڑ دے تمام روایات میں یہی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے ایسی صورتوں میں مال قبول کر کے عورت کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے۔ اور قاضی کا حکم بہرحال یہی معنے رکھتا ہے کہ محکوم علیہ اس کے امتثال کا پابند ہے، حتّٰی کہ اگر وہ امتثال نہ کرے تو قاضی اس کو حبس کر سکتا ہے۔ شریعت میں قاضی

کی حیثیت صرف ایک مشیر کی نہیں ہے کہ اس کا حکم محض مشورہ کے درجہ میں ہو اور محکوم علیہ کو اس کے ماننے یا نہ ماننے کا اختیار رہو۔

۷۔ خلع کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح کے مطابق ایک طلاق بائن کا ہے یعنی اس کے بعد زمانہ عدت میں شوہر کو رجوع کا حق نہ ہوگا۔ کیونکہ حق رجوع باقی رہنے سے خلع کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے نیز چونکہ عورت نے جو مال اس کو دیا ہے وہ عقدۂ نکاح سے اپنی رہائی کے معاوضہ میں دیا ہے، اس لیئے اگر شوہر معاوضہ لے لے اور اس کو رہائی نہ دے تو یہ فریب اور دغا ہوگی جس کو شریعت جائز نہیں رکھ سکتی۔ ہاں اگر عورت دوبارہ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو کرسکتی ہے کیونکہ یہ طلاق حسن ہے جس کے بعد دوبارہ نکاح کرنے کے لیے تحلیل شرط نہیں ہے۔

۸۔ خلع کے معاوضہ کی تعیین میں اللہ تعالیٰ نے کوئی قید نہیں لگائی ہے۔ جتنے معاوضہ پر بھی زوجین راضی ہوجائیں، اس پر خلع ہوسکتا ہے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہ فرمایا کہ شوہر خلع کے معاوضہ میں اپنے دیے ہوئے مہر سے زیادہ مال لے آپ کا ارشاد ہے لایاخذ الرجل من المختلعة اکثر مما اعطاھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے بھی بالفاظ صریح اس کو مکروہ فرمایا ہے۔ ائمۂ مجتہدین کا بھی اس پر اتفاق ہے بلکہ اگر عورت اپنے شوہر کے ظلم کی وجہ سے خلع کا مطالبہ کرے تو شوہر کے لیے سرے سے مال ہی لینا مکروہ ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے وان کان النشوز من قبلہ یکرہ لہ ان یاخذ منھا عوضاً۔ اس باب میں اصول شرع کے ماتحت یہ ضابطہ بنایا جاسکتا ہے کہ اگر خلع مانگنے والی عورت اپنے شوہر کا نشوز ثابت کردے، یا خلع کے لیے ایسے وجوہ ظاہر کرے جو قاضی کے نزدیک معقول ہوں تو اس کو مہر کے ایک قلیل جز یا نصف کی واپسی پر خلع دلایا جائے اور اگر وہ نہ شوہر کا نشوز ثابت کرے نہ کوئی معقول وجہ ظاہر کرے تو اس کے لیے پورا مہر یا اس کا ایک بڑا حصہ واپس کرنا ضروری قرار دیا جائے اگر اس کے رویے میں قاضی کو ذوّاقیت کے آثار نظر آئیں تو قاضی سزا کے طور پر اس کو مہر سے بھی کچھ

زیادہ دینے پر مجبور کر سکتا ہے۔

مسئلہ خلع میں ایک بنیادی غلطی | خلع کی اس بحث سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ قانون اسلامی میں عورت اور مرد کے حقوق کے درمیان کس قدر صحیح توازن قائم کیا گیا تھا۔ اب یہ ہماری اپنی غلطی ہے کہ ہم نے اپنی عورتوں سے خلع کے حق کو عملاً سلب کر لیا، اور اصول شرع کے خلاف، عقدۂ نکاح کو کلیۃً مردوں کی خواہش پر منحصر ٹھیرا دیا۔ اس سے عورتوں کی جو حق تلفیاں ہوئیں اور ہو رہی ہیں ان کی ذمہ داری خدا اور رسول کے قانون پر قطعاً نہیں ہے، بلکہ ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اس قانون کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر اب بھی عورتوں کے اس حق کا استقرار ہو جائے تو وہ بہت سی گتھیاں سلجھ جائیں گی جو ہمارے ازدواجی معاملات میں پیدا ہو گئی ہیں، بلکہ گتھیوں کا پیدا ہونا ہی بند ہو جائے گا۔

عورت سے خلع کے حق کو جس چیز نے عملاً بالکل سلب کر لیا ہے وہ یہ غلط خیال ہے کہ شارع نے خلع کا معاملہ کلیۃً زن و شوہر کے درمیان رکھا ہے اور اس میں مداخلت کرنا قاضی کے حدود اختیار سے باہر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خلع دینا یا نہ دینا بالکل مرد کی مرضی پر موقوف ہو گیا ہے۔ اگر عورت خلع حاصل کرنا چاہے، اور مرد اپنی شرارت یا خود غرضی سے نہ دینا چاہے تو عورت کے لیے کوئی چارہ کار نہیں رہتا لیکن یہ بات شارع کے منشا کے بالکل خلاف ہے۔ شارع کا یہ منشا ہرگز نہ تھا کہ معاملۂ نکاح کے ایک فریق کو بالکل بے بس کر کے دوسرے فریق کے ہاتھ میں دیدے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ بلند اخلاقی و تمدنی مقاصد فوت ہو جاتے جو اس نے مناکحت کے ساتھ وابستہ کیے ہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے اسلامی شریعت میں قانون ازدواج کی بنا ہی اس اصل پر رکھی گئی ہے کہ عورت اور مرد کا ازدواجی تعلق جب تک پاکیزگی اخلاق اور مودت و رحمت کے ساتھ قائم رہ سکتا ہو اس کا استحکام مستحسن اور ضروری ہے اور اس کو توڑنا یا توڑ ڈالنے کی کوشش کرنا سخت نامحمود ہے۔ اور جب یہ تعلق دونوں کے لیے یا دونوں میں سے کسی ایک

کے لیے اخلاق کی خرابی کا سبب بن جائے، یا اس میں مودت و رحمت کی جگہ نفرت و کراہیت داخل ہو جائے تو پھر اس کا توڑ دینا ضروری ہے، اور اس کا باقی رہنا اغراض شریعت کے خلاف ہے۔ اس اصل کے ماتحت شریعت نے معاملۂ نکاح کے دونوں فریقوں کو ایک ایک قانونی آلہ ایسا دیا ہے جس سے وہ عقدۂ نکاح کے ناقابل برداشت ہو جانے کی صورت میں حل عقد کا کام لے سکتے ہیں۔ مرد کے قانونی آلہ کا نام طلاق ہے جس کے استعمال میں اُسے آزادانہ اختیار دیا گیا ہے۔ اور اس کے بالمقابل عورت کے قانونی آلہ کا نام خلع ہے۔ جس کے استعمال کی صورت یہ رکھی گئی ہے کہ جب وہ عقدۂ نکاح کو توڑنا چاہے تو پہلے مرد سے اس کا مطالبہ کرے، اور اگر مرد اس کی خواہش پوری کرنے سے انکار کر دے تو پھر قاضی سے مدد لے۔ زوجین کے حقوق میں توازن اسی طرح قائم رہ سکتا تھا، اور خدا و رسول نے درحقیقت یہی توازن قائم کیا تھا۔ مگر قاضی کے اختیار سماعت کو درمیان سے خارج کر کے یہ توازن بگاڑ دیا گیا۔ کیونکہ اس طرح وہ قانونی آلہ جو عورت کو دیا گیا تھا قطعاً بے کار ہو گیا، اور عملاً قانون کی صورت بگڑ کر یہ ہو گئی کہ اگر مرد کو ازدواجی تعلق میں حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خوف ہو یا یہ تعلق اس کے لئے ناقابل برداشت ہو جائے تو وہ اسے قطع کر سکتا ہے لیکن اگر یہی خوف عورت کو ہو یا ازدواجی تعلق اس کے لیے ناقابل برداشت ہو جائے تو اس کے پاس اس تعلق کو قطع کرانے کا کوئی ذریعہ نہیں، تاوقتیکہ مرد ہی اس کو آزاد نہ کر دے وہ مجبور ہے کہ بہرحال اس تعلق میں بندھی رہے، خواہ حدود اللہ پر قائم رہنا اس کے لیے محال ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اور مناکحت کے شرعی مقاصد بالکل ہی کیوں نہ فوت ہو جائیں۔ کیا کسی میں اتنی جسارت ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی شریعت پر اتنی کھلی ہوی بے انصافی کا الزام عائد کر سکے؟

مسئلہ خلع میں قاضی کے اختیارات قرآن مجید کی جس آیت میں خلع کا قانون بیان کیا گیا ہے اس کو پھر پڑھیے:-

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا — اگر تم کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ۔ تو ان دونوں پر اس میں کوئی مضایقہ نہیں کہ وہ (یعنی عورت کچھ فدیہ دے کر (علیحدگی حاصل کرلے۔

اس آیت میں زوجین کا ذکر تو غائب کے صیغوں سے کیا گیا ہے، لہذا لفظ خفتم کے مخاطب وہ نہیں ہو سکتے۔ اب لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس کے مخاطب مسلمانوں کے اولی الامر ہیں اور حکم الٰہی کا منشاء یہ ہے کہ اگر خلع پر زوجین میں تراضی حاصل نہ ہو تو اولی الامر کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس کی تصدیق ان احادیث سے ہوتی ہے جو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے پاس خلع کے دعوے لے کر عورتوں کا آنا اور آپ کا ان کی سماعت کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ جب زوجین میں تراضی حاصل نہ ہو تو عورت کو قاضی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اب اگر فی الواقع قاضی کا فیصلہ اس معاملہ میں بے اثر ہو، اور مرد کے راضی نہ ہونے کی صورت میں قاضی اس سے اپنا فیصلہ منوانے کا اقتدار نہ رکھتا ہو تو قاضی کو مرجع قرار دینا سرے سے فضول ہی ہوگا کیونکہ اس کے پاس جانے کا نتیجہ بھی وہی ہے جو نہ جانے کا ہے۔ لیکن کیا احادیث سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ قاضی اس معاملہ میں بے اختیار رہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے جتنے فیصلے اوپر منقول ہوئے ہیں ان میں یا تو صیغۂ امر آیا ہے جیسے طَلِّقْهَا اور فَارِقْهَا اور خَلِّ سَبِيلَهَا۔ یا یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے مرد کو حکم دیا کہ ایسا کرے۔ ابن جریر نے ابن عباس سے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ تو یہ ہیں کہ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا (پھر آپ نے ان کو جدا کر دیا) اور یہی الفاظ اس روایت میں بھی ہیں جو خود جمیلہ بنت ابی بن سلول سے منقول ہے۔ اس کے بعد یہ شبہہ کرنے کی کوئی گنجایش نہیں رہتی کہ قاضی خلع کے معاملہ میں حکم دینے کا مجاز نہیں ہے۔ رہا یہ سوال کہ اگر شوہر اس حکم کو محض مشورہ سمجھ کر ماننے سے انکار کر دے تو کیا قاضی اس سے جبراً اپنا حکم منوا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عہد میں ایسی تو کوئی مثال ہم کو نہیں ملتی کہ آپ نے کوئی فیصلہ صادر کیا ہو اور کسی نے اس سے

سرتابی کی جرات کی ہو، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ پر ہم قیاس کرسکتے ہیں جس میں آپ نے ایک ہیکڑ شوہر سے فرمایا تھا کہ لست ببارح حتّٰی ترضٰی بمثل ما رضیت بہ یعنی تجھے نہ چھوڑا جائے گا جب تک تو بھی اسی طرح حکمین کا فیصلہ قبول کرنے پر راضی نہ ہو جس طرح عورت راضی ہوئی ہے۔ اگر قاضی ایک شوہر کو حکمین کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کرنے سے انکار کرنے پر حراست میں رکھ سکتا ہے تو وہ خود اپنا فیصلہ منوانے کے لیے تو بدرجہ اولیٰ قوت استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ دنیا کے تمام معاملات میں سے صرف خلع ہی کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہو جسے قاضی کے اس حق سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ فقہ کی کتابوں میں متعدد جزئیات ایسے ملتے ہیں جن میں قاضی کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر شوہر اس کے حکم سے طلاق نہ دے تو قاضی خود تفریق کرا دے۔ پھر کیوں نہ خلع کے مسئلہ میں بھی قاضی کو یہ اختیار حاصل ہو؟

آگے چل کر جو مباحث بیان ہوں گے ان سے یہ حقیقت اور بھی زیادہ واضح ہو جائے گی کہ عنین اور مجبوب اور خصی اور جذامی، مبروص اور مجنون شوہروں کے مسئلہ میں فقہائے کرام نے جو ضوابط بیان کئے ہیں، اور اسی طرح خیار بلوغ اور بعض دوسرے مسائل میں جو اجتہادی قوانین مقرر کیے گئے ہیں۔ ان کی موجودگی میں تو نہایت ضروری ہو گیا ہے کہ عورتوں کو خلع دلانے کے پورے اختیارات عدالتوں کو حاصل ہوں، ورنہ جو عورتیں ایسے حالات میں گرفتار ہو جائیں ان کے لیے بجز اس کے اور کوئی صورت ہی نہیں کہ یا تو وہ تمام عمر مصیبت کی زندگی بسر کریں، یا اپنے داعیات نفس سے مجبور ہو کر فواحش میں مبتلا ہو جائیں، یا مجبوراً مرتد ہو کر قید نکاح سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ توضیح مدعا کے لیے ہم یہاں ایک سال پر اکتفا کرتے ہیں۔

عنین کے معاملہ میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اس کو ایک سال تک علاج کی مہلت دی جائے گی اگر علاج کے بعد وہ ایک مرتبہ بھی ہمبستری پر قادر ہو گیا حتیٰ کہ اگر ایک مرتبہ اس نے ادھوری مباشرت

بھی کرلی تو عورت کو فسخ نکاح کا حق نہیں بلکہ یہ حق ہمیشہ کے لیے باطل ہو گیا۔[۱] اگر عورت کو نکاح سے پہلے یہ معلوم تھا کہ وہ عنین ہے تو اس کو سرے سے قاضی کے پاس دعویٰ لے جانے کا حق ہی نہیں۔[۲] اگر اس نے نکاح کے بعد ایک مرتبہ مباشرت کی اور پھر عنین ہو گیا تب بھی عورت کو دعوے کا حق نہیں۔[۳] اگر عورت نے شوہر کے عنین ہونے کا علم حاصل ہونے کے بعد اس کے ساتھ رہنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تب بھی وہ ہمیشہ کے لیے خیار فسخ سے محروم ہو گئی۔[۴] ان صورتوں میں عورت کا خیار فسخ تو یوں باطل ہو گیا اس کے بعد ایسے ناکارہ شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کی دوسری صورت یہ رہ جاتی ہے کہ وہ خلع حاصل کرے۔ مگر وہ اس کو مل نہیں سکتا کیونکہ شوہر سے مطالبہ کرتی ہے تو وہ اس کا پورا مہر بلکہ مہر سے کچھ زائد لیکر بھی چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتا اور عدالت سے رجوع کرتی ہے تو وہ اس کو مجبور کر کے طلاق دلوانے یا تفریق کرنے سے انکار کر دیتی ہے اب غور کیجیے کہ اس غریب عورت کا حشر کیا ہوگا؟ بس یہی نا کہ یا تو وہ عیسائی راہبات کی طرح نفس کشی کی زندگی بسر کرے اور اپنے نفس پر روح فرسا تکلیفیں برداشت کرے یا قید نکاح میں رہ کر اخلاقی فواحش میں مبتلا ہو، یا پھر سرے سے دین اسلام ہی کو خیرباد کہہ دے۔ مگر کیا اسلامی قانون کا منشا بھی یہی ہے کہ کوئی عورت ان حالات میں سے کسی حالت میں مبتلا ہو؟ کیا ایسے ازدواجی تعلق سے شریعت کے وہ مقاصد پورے ہو سکتے ہیں جن کے لیے قانون ازدواج بنایا گیا ہے؟ کیا ایسے زوجین میں مودت و رحمت ہوگی؟ کیا وہ باہم مل کر تمدن

۱۔ فی رد المحتار عن المعراج اذا اولج الحشفۃ فقط فلیس بعنین و ان کان مقطوعھا فلابد من ایلاج بقیۃ الذکر

۲۔ فی العالمکیریۃ ان علمت المرأۃ وقت النکاح انہ عنین لا یصل الی النساء لا یکون لہا حق الخصومۃ

۳۔ فی الدر المختار فلو جبّ بعد وصولہ الیہا مرۃ او صار عنینا بعدہ ای الوصول لا یفرق لحصول حقہا بالوطی مرۃ۔

۴۔ قال الشامی قولہ لم یبطل ای مالم تقل رضیت بالمقام معہ۔

کی کوئی مفید خدمت کرسکیں گے؟ کیا ان کے گھر میں خوشی اور راحت کے فرشتے کبھی داخل ہوسکیں گے؟ کیا یہ قید نکاح کسی حیثیت سے بھی احصان کی تعریف میں آسکے گی، اور اس سے دین اور اخلاق اور عفت کا تحفظ ہوگا؟ اگر نہیں تو بتایا جائے کہ ایک بے گناہ عورت کی زندگی برباد ہونے یا مجبوراً اس کے فواحش میں مبتلا ہوجانے، یا دائرۂ دین سے نکل جانے کا وبال کس کے سر ہوگا؟ خدا اور رسول تو یقیناً بری الذمہ ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے قانون میں کوئی نقص نہیں چھوڑا ہے۔ (باقی)

"سچ" کے بجائے "صدق"

زیر ادارت جناب مولانا عبدالماجد دریابادی

یکم مئی سنہ ۱۹۳۵ء سے ۱۷×۲۷/۴ ۲۰ پونڈ سفید چکنے کاغذ پر ہر مہینہ کی یکم، گیارہ اور اکیس کو شائع ہوتا ہے ہم کو معلوم ہے کہ وہ صاحب ذوق حضرات جو مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے طرز انشاء کے عاشق ہیں اور آپ کے مخصوص دلنشین طرز صحافت کیلئے آپ کے اخبار سچ کے بند ہونیکے بعد سے بیتاب تھے اس مژدہ کو صحیح معنوں میں مژدہ سمجھیں گے لیکن چونکہ ہمارے پاس اخبار "سچ" کے خریداروں کی مکمل فہرست موجود نہیں ہے اس وجہ سے فرداً فرداً خریداران سچ کو نمونہ نہ روانہ کرسکے لہذا شائقین حضرات اپنا اپنا چندہ قیمتی چار روپیہ جلد از جلد روانہ فرما کر خریداران کے رجسٹر میں اپنا نام درج کرالیں ورنہ بعد کو پچھلے پرچے دستیاب نہ ہونے پر پچھتانا پڑیگا۔

"صدق" ہر اعتبار سے "سچ" سے بڑھا ہوا ہے معنوی حیثیت سے مضامین قرآنی کا اضافہ

سالانہ چندہ للعہ

ترسیل زر بنام منیجر اخبار "صدق" ۳۶ ہیوٹ روڈ لکھنؤ